قسط نمبر 2

عصر حاضر میں اسلام کو درپیش
مسائل اور ان کا حل

آمنہ رشید فیصل آباد

عصر حاضر کا سب سے بڑا چیلنج یہی ہے کہ مغرب پوری امت مسلمہ کے دل و دماغ، جذبات وفکر پر حاوی ہو چکا ہے۔ ہماری نئی نسل کے افکار وخیالات پر اس کا تسلط ہو چکا ہے۔

مغرب کی اس ہمہ جہتی غلامی وتسلط سے نجات اور خلاصی کی صرف ایک راہ ہے وہ یہ کہ مغرب کو فکر ونظریات کے میدان میں شکست سے دوچار کر دیا جائے کہ اس کے افکار کی سطحیت کمزوری اور بودا پن اور اس کا انسانیت کیلئے مہلک ومضر رساں ہونا پورے طور پر واضح کر دیا جائے اور اسلام وقرآن کے عطا کردہ نظریات وافکار کی برتری ان کا انسانیت کیلئے نفع بخش ومفید ہونا علمی وعقلی طور پر ثابت کر دیا جائے۔ عصر حاضر کے ذرائع ابلاغ کو بروئے کار لا کر مغرب کے ہولناک مضرت رساں خود غرضانہ اور گمراہ کن سیاسی، معاشی، تمدنی نظاموں اور اس کی دجالی و شیطانی فکر و سوچ کو سائنٹفک انداز میں واشگاف کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام نہایت عرق ریزی، سخت محنت اور محاورہ کی زبان میں جگر کو پانی کرنے کا ہے۔ جب تک ہم مغرب کی ہمہ جہتی غلامی میں جکڑی رہے گی۔ خواہ وقت کے ہر فرد کو رسمی طور پر فارغ التحصیل عالم دین بنا دیں۔ اسی طرح جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ محض جدید علوم حاصل کر کے یا سائنس و ٹیکنالوجی اور جدید اسلحہ میں خود کفالت حاصل کر کے مغربی بالادستی وغلامی سے نجات وچھٹکارا مل جائے گا وہ بھی سخت غلطی پر ہیں۔ کیونکہ اس وقت تمام جدید علوم سائنس وٹیکنالوجی کی اساس خدا پرستی کی بجائے مادہ پرستی، آخرت کے تصور کی بجائے دنیا ہی کو سب کچھ سمجھنے بالفاظ و دیگر وحی کی عطا کردہ روشنی کی بجائے خواہش ونفس پرستی کی ظلمتوں پر ہے۔ جب جدید علوم اور سائنس وٹیکنالوجی حاصل کرنے والوں کے دل ودماغ مغربی افکار ونظریات سے مسحور ہوں گے تو مغرب کیلئے ان کو واسطہ بنا کر دینی جماعتوں اور اسلام کے افکار ونظریات کو کچل کر ختم کرنا اور زیادہ سہل ہوگا۔ اس کا مظاہرہ گذشتہ نصف صدی سے عالم اسلام کے نسبتاً ترقی یافتہ ملکوں میں مسلسل ہو رہا ہے۔ اگر بغور جائزہ لیا جائے تو ترکی کے مصطفی کمال اتاترک سے مسلم ممالک کے موجودہ حکمرانوں تک مسلمانوں کے جس ملک وقوم نے مغربی علوم وفنون میں جس قدر ترقی اس کے بقدر وہاں دینی، مذہبی اثرات کو ختم کرنا زیادہ آسان ثابت ہوا۔ ہمارا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ جدید سائنسی علوم سے صرف نظر کیا جائے اور اس میں پیچھے رہ جانے کو برداشت کر لیا جائے۔ بلکہ عالمِ اسلام کو جلد از جلد ان جدید علوم میں اپنی پسماندگی دور کرنی ہوگی۔ تاکہ اسلام کو بالاتر سمجھنے کیلئے مادی علوم مرعوبیت رکاوٹ نہ بنے۔

مگر اس سے پہلے دل ودماغ کو مغربی افکار ونظریات کے سحر سے آزاد کرانا ہوگا۔ ان تمام جدید علوم کی مثال ایک ہتھیار کی سی ہے۔ ہتھیار کو استعمال بے شک ہاتھ ہی کرتے ہیں مگر ہاتھوں کو استعمال کرنے والا دل ودماغ ہوتا ہے اور دل ودماغ پر حکمرانی فکر و عقیدہ کی ہوتی ہے۔ اس لئے موجودہ دور کا سب سے بڑا چیلنج اصلاً فکری ونظریاتی ہے۔

جس طرح کسی درخت کے پھلنے پھولنے اور بار آور ہونے کیلئے ضروری ہے کہ اسے مناسب بیج، آب وہوا اور پانی ودکھاد میسر ہو۔ اسی طرح مذہب کیلئے فکر وعقیدہ بمنزلہ بیج اور اس عقیدہ کے مطابق معاشرہ اور نظام تعلیم وتربیت اور کلچر وتمدن آپ سمعی وبصری راستوں سے دل ودماغ کو کیا غذا فراہم کرتے ہیں۔ اس لئے کہ اسلامی فکر ونظر، معاشرت وتمدن اور ذرائع ابلاغ کے صحیح استعمال کے بغیر اسلام کے غلبہ وسربلندی کی توقع رکھنا ایسا ہی ہے جیسے ببول کے درخت پر دعاؤں اور وعظ وتقریر سے آم لگانے کی امید کرنا۔ مگر اسلام کے حوالے سے ہم سب اسی خود فریبی کا شکار ہیں۔

اسلام کو درپیش ایک اور مسئلہ اس کے ورثاء اور حاملین ہیں۔ عصر حاضر میں روائتی دینی علماء اور مذہبی زعماء کا کردار بالخصوص پاکستانی معاشرے میں سکڑ کر رہ گیا ہے اور برابر سکڑتا سمٹتا جا رہا ہے۔ جبکہ دینی مدارس کا ایک وسیع وعریض سلسلہ ہے۔ مساجد کی تعداد ہزاروں میں نہیں بلکہ لاکھوں میں ہے۔ دینی تعلیم کے حصول میں مصروف طلباء بھی لاتعداد ہیں۔ مذہبی تقریبات کے انعقاد کا غلغلہ بھی چاروں طرف ہے۔ اذانوں کی آواز سے پورا ملک گونج رہا ہے اور صلوٰۃ وسلام کے نغمے ہر شہر اور قصبہ تو کیا ہر کوچہ ومحلہ سے اٹھ رہے ہیں۔ لیکن شیخ الاسلام، شیخ القرآن، شیخ طریقت، ارباب محراب ومنبر عوام کیلئے مراجع ومرکز نہیں بن رہے اور سیاسی وسماجی مقالات میں لوگ ان کی قیادت پر مطمئن اور ان کی

رہنمائی کے طلب نظر نہیں آتے۔ یہ ناخوشگوار رویہ لمحہ فکریہ ہے یہی نقطہ اصلاح بھی بن سکتا ہے۔ بشرطیکہ کے گردوپیش پر کوئی غور کرنے والا اور اپنے انداز پر نظر ثانی کیلئے تیار ہو۔ آخر آج امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے وارث دوسروں کے کیوں محتاج دکھائی دیتے ہیں۔ امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے پیرو دوسروں کے ترجمان اور ناطق بنے ہوئے ہیں؟ آج امام ابن تیمیہ اور ابن القیم کے معنوی فرزند چھوٹے چھوٹے دائروں میں بند ہو کر کیوں رہ گئے ہیں؟ اور آج مجدالف ثانی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی فکر کے امین سمٹ سمٹ کر گوشہ نشین کیوں ہو گئے ہیں۔ موتیوں سے کھیلنے والے آج سنگریزوں سے دل بہلا کر کیوں خوش رہتے ہیں؟ وقت کا امام کہلانے والوں سے کارِ جہاں کی زمام کیونکر چھن گئی ہے؟ اور قافلہ کے سالار کس لئے بے یار و مددگار اور دوسروں کی معاونت کے طلبگار نظر آتے ہیں؟ ظاہر ہے اتنے بڑے حادثے کے کچھ تو اسباب ہونگے۔ کچھ خوشگوار اور کچھ ناگوار

وقت کرتا ہے پرورش برسوں۔
حادثہ ایک دم نہیں ہوتا

ان اسباب کا تجزیہ بھی ضروری ہے اور عصری ضروریات کا جائزہ لینا بھی لازی ہے۔ اس کے بغیر عروج وزوال کی یہ داستان مکمل نہیں ہوتی۔

ایک صحت مند اور بیمار آدمی کی خوراک جس طرح مختلف ہوتی ہے اور اس کا غذائی چارٹ صحت اور مرض کے حوالے سے تیار ہوتا ہے۔ اسی طرح دینی معاملات میں معاشرت ضروریات اور عصری شعور کو سامنے رکھ کر یہ طے کرنا ہوتا ہے کہ اس وقت کرنے والا کام کونسا ہے۔ صلاحیتوں کا خراج کونسا میدان مانگ رہا ہے؟ اور لوگ کس موڑ پر کھڑے رہنمائی کے طالب ہیں؟

ذہن پر زور دیئے بغیر یہ حقائق سامنے آجاتے ہیں کہ اس وقت پوری دنیا قومی تہذیب کی چکا چوند سے چندھیائی ہوئی ہے۔ مادیت کا طلسم طاری ہے۔ بے یقینی اپنی آخری حدوں کو چھو رہی ہے۔ آخرت کا تصور دھندلا رہا ہے۔ مذہب کا وجود لوگوں کیلئے بارگراں بن رہا ہے۔ دنیا بھر میں مجموعی طور پر نظام حکومت نفس پرست لوگوں کے ہاتھوں یرغمال بن چکا ہے۔ سیاست، جلبِ منفعت اور حصول قوت کا ذریعہ بن کر رہ گیا ہے۔ معیشت کا ایک ایک ریشہ سود اور استحصال کے نظام میں الجھا ہوا ہے۔ بنیادی انسانی اخلاق قصہ پارینہ کے درجے میں پہنچ رہے ہیں۔ بر و بحر کے ہر کنارے تک فساد پھیل چکا ہے اور نئی نسل ایک نیا اور منفی جنم لے رہی ہے۔

حالات اگر یہ ہیں اور حقائق اس قدر تلخ ہیں تو ہر عالم دین کو اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر یہ سوچنا چاہئے کہ اس وقت نور و بشر کا مسئلہ اٹھانے کی کتنی ضرورت ہے؟ اور اس موضوع پر دادِ سخن دینے، زور تحریر دکھانے اور مناظروں کا میدان سجانے کی کس قدر افادیت ہے؟ جبکہ صورت احوال یہ ہے کہ لوگ خود ذاتِ رسول سے رہنمائی لینے کی بجائے مختلف نظامِ فکر کے خودساختہ سرچشموں اور نفس کے وسوسوں سے رہنمائی حاصل کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ اس وقت رفع الیدین ثابت کرنے اور تردید کرنے کیلئے لٹریچر کی بھرمار آخر کونسی بنیادی ضرورت پوری کر رہی ہے۔ جبکہ مسجدیں نمازیوں سے خالی اور صفیں کم ہوتی جا رہی ہیں۔ اسی طرح علم اور تعزیہ کو ضرورت دین میں شامل کرنے اور اس کی دن رات تبلیغ کرنے اور اس کیلئے ہمہ وقت سربکف رہنے سے اسلام اور امت کا کیا بھلا ہو رہا ہے؟ جبکہ آج دنیا میں خود مذہب کا علم سرنگوں اور اہل مذہب کا بھرم زبوں ہو رہا ہے۔

یہی حال دیگر فقہی جزئیات میں بے پناہ دلچسپی اور شفقت کا ہے۔ حسین کلچر عروج پر ہے اور علماء اکرام عمامے اور دستار کے پیچ وخم درست کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ ہالی وڈ کی تہذیب اپنی انتہا پر ہے اور علماء اکرام لاؤڈ سپیکر میں نماز کے جواز اور عدم جواز پر سینکڑوں صفحات سیاہ کر رہے ہیں۔ یورپ اپنے ثقافتی طائفے لے کر اسلامی تہذیب پر ٹوٹا پڑ رہا ہے اور یہاں علماء اکرام متعہ اور حلالہ کی بحث سے فارغ نہیں ہو رہے۔

یہ ٹھیک وہی بحثیں ہیں اور فروعات میں انہماک کا وہی عالم ہے جو کبھی سپین میں عیسائی حلقوں میں مباحث اور گرمیٔ گفتار کا تھا۔ وہاں بھی یہی ہو رہا تھا کہ بتایئے سوئی کی نوک پر کتنے ہزار فرشتے بیٹھ سکتے ہیں اور حضرت عیسٰی علیہ السلام پر آسمانوں سے جو روٹی اترتی تھی وہ خمیری یا فطیری؟ سقوطِ بغداد کے وقت بھی اسی نوع کے موضوعات زیر بحث تھے۔ ظاہر ہے موضوعات یہ ہونگے تو حادثات بھی، اسی طرح کے رونما ہوں گے۔ جس طرح تاریخ میں ہو چکے ہیں۔ درخت کی جڑ پر تیشہ رکھا ہوا نظر آ رہا ہو تو پتوں کی تراش خراش ثانوی چیز ہو جاتی ہے۔ باغبان برق وشرر سے ملے ہوئے دکھائی دے رہے ہوں تو آشیانے کی فکر کرنا دانائی نہیں پورے گلستان کے بچاؤ کی تدبیر ڈھونڈھنا عین حکمت اور تقاضائے اخلاص ہے۔

عصر حاضر میں اسلام کو درپیش مسائل میں سے ایک مسئلہ مدارس دینیہ میں رائج تعلیم کا بھی ہے۔ مروجہ نصاب تعلیم کے ذریعے جو لوگ تیار ہو

رہے ہیں ان کا وژن بہت حد تک کلبی اور اپروچ بہت ہی انفرادی ہے۔ ہمیں زیادہ قطعیت کیساتھ معلوم نہیں کہ الجزائر، مصر، عراق اور دوسرے مسلم ممالک میں کونسا نصاب تعلیم رائج ہے اور وہاں کا دینی اسٹیٹس کیا ہے؟ لیکن برصغیر پاک و ہند میں جو ''درس نظامی'' رائج ہے۔ اس سے ہم کس قدر واقف اور آگاہ ہیں۔ یہ نصاب تعلیم جس دور میں مرتب ہوا ہوسکتا ہے۔ اس لئے کہ اس وقت تک دنیا ابھی ''گلوبل ولیج'' نہیں بنی تھی۔ اس خطے کیلئے جو کچھ سیاست و ریاست اور مذہب و معاشرت کیلئے درکار تھا وہ درس نظامی مہیا کر رہا تھا۔ لیکن اب اسے پوری طرح نچوڑ بھی لیا جائے تو ایک آدھ لب تر ہوسکتا ہے۔ کسی کی تشنگی نہیں بجھ سکتی۔ ابتدائی فنی کتب کو چھوڑ کر (جن میں صرف و نحو اور منطق کی کتابیں شامل ہیں) فقہی کتب میں سے جو حصہ جس ترغیب سے پڑھایا جاتا ہے۔ اس سے وعظ جمعہ اور عیدین کے خطیب روایتی مفتی اور فنی مدرس تو تیار ہوجاتے ہیں۔ لیکن عمرانی مسائل سے کماحقہ واقفیت، مجتہدانہ بصیرت، شرعی احکام و قوانین کا عصری تغیرات اور ضروریات پر اطلاق و انطباق اور تمدنی مصالح سے آگہی جیسی خوبیاں اس نصاب تعلیم اور طرز تدریس سے قطعاً پیدا نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل مشکل سے ایک آدھ آدمی ملے گا جو مجتہدانہ بصیرت اور تحقیقی نشان کے ساتھ احکام کے قالب میں روح عصر سمونے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہو۔ ورنہ جو کچھ کتابوں میں لکھا ہے اس کا ترجمہ کر دینے کو علم کی معراج سمجھ لیا گیا ہے۔ جبکہ ہمیں جامد جوابات کی بجائے زندہ مسائل حل کرنے کی بروش اپنانی ہے۔

آج دنیا میں فکری الحاد، عملی ارتداد، معاشرتی انحطاط، معاشی استحصال اور تمدنی زوال کا شکار ہے۔ اسے دوبارہ صحیح اسلامی معاشرہ بنانے کیلئے وہ تمام ضروریات اور تقاضے احادیث رسول اور اسوہ پیغمبر میں موجود ہیں۔ جنہیں بروئے کار لانا وقت کی ڈیمانڈ ہے۔ مگر یہ چیزیں اس طرز تدریس سے حاصل نہیں ہوسکتی۔ جو اس وقت مدارس میں رائج ہے۔

آخر میں اپنی طویل گفتگو کو سمیٹتے ہوئے حرف آخر کے طور پر یہ کہنا چاہوں گی کہ حقیقی اسلام کو متعارف کروانے اور دنیا میں نافذ کرنے کیلئے مشترکہ طور پر ایسا نظام عمل مرتب کرنے اور جاری و ساری کرنے کیلئے ایسی عالمی مشنری کو وجود میں لانا مقصود ہوگا جو افراط و تفریط سے پاک ہو کر متوازن اور معتدل تعلیمات پر عمل کرے۔

یہ تحریک ایسی موج رواں ہو جو ایمان و عمل کو یکجائی بخشے۔ عقل و نقل میں موافقت پیدا کرے۔ دنیا و آخرت کو باہم مربوط کرے۔ نئے مفید امور کو جذب کرے، قدیم طرز عمل کا احیاء کرے، وسائل کو عمدگی سے بروئے کار لائے۔ جزئیات تک کو خوبی سے قابل عمل بنائے۔ یہ تحریک شرعی اصولوں اور تغیرات زمانہ میں مناسب توازن برقرار رکھنے کی استعداد رکھتی ہو۔ ماضی سے مربوط رہتے ہوئے زمانہ حال میں درست انداز سے زندگی بسر کرنے کا ادراک رکھی ہو۔

یہ تحریک عالمی تبلیغ میں اصول یسر کو پیش نظر رکھنے والی، انسانی مسائل کا حل پیش کرنے میں سہولت کے پہلو کو مقدم کرتے والی اور عام فہم ہونی چاہئے۔ نئے تقاضوں کے مطابق اجتہاد کی متعینہ شرطوں پر کاربند رہتے ہوئے پیش آمدہ حالات پر مجتہدانہ غور و فکر کی داعی اور تجدید و احیاء و نشاۃ ثانیہ کے ضابطوں پر کاربند رہے تو انشاء اللہ اسلام تیزی کے ساتھ پھیلے گا اور بالآخر اسلام کا ہی غلبہ ہوگا۔

بقول شاعر

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغام سجود
پھر جبیں خاک حرم سے آشنا ہو جائے گی

مجلة ترجمان الحدیث
میں اشتہار دیکر اپنی تجارت کو فروغ دیں۔
معقول دام: بہترین سرکولیشن
برائے رابطہ: دفتر ترجمان الحدیث،
جامعہ سلفیہ فیصل آباد 041-780374

اصل کرنڈی، لٹھا سفید، لٹھا رنگدار پختہ کلر،
کاٹن سفید و رنگدار پختہ کلر
فیصل یعقوب کلاتھ مرچنٹ
ہر قسم کی مردانہ ورائٹی کا مرکز
041-633809
Mob# 0300-9653599
پنجاب بلاک مدینہ بازار P-162 مکی کلاتھ مارکیٹ فیصل آباد